نوابْ عبداللطیف اورِ مسلمانانِ بنگال کی تعلیم

تحریر :- ڈاکٹر عبدالکریم   ترجمہ :- افضال وارث

انیسویں صدی میں بنگال کے مسلمان قائدین میں نواب عبداللطیف کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے، جنہوں نے اس خطے کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی. جب انگریزی حکومت نے جدید تعلیم کے لئے سہولتیں دینے کا اعلان کیا. تو آپ نے مسلمانوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی. سرکاری ملازمت سے منسلک ہونے کے باوجود آپ نے عمر بھر مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے، ان کو ترقی کے مواقع بہم پہنچانے اور آئینی طریقوں سے ان کی مدد کرنے کا مشن جاری رکھا۔ اسی لئے سر ولیم ہنٹر آپ کو "اپنے وقت کا ممتاز مصلحِ قوم" لکھتا ہے۔ اور سر رچرڈ ٹمپل "بنگال کے مسلمانوں میں واحد روشن خیال اور بالغ نظر" جیسے الفاظ سے خراج پیش کرتا ہے۔

بنگال کے مسلمانوں کو تعلیم جدید سے روشناس کرانے میں نواب عبداللطیف نے جو کردار ادا کیا ہے، ابھی تک اس کا پورا جائزہ نہیں لیا گیا۔ اس دَور کی درسی کتابوں میں عبداللطیف کا نام کہیں نظر نہیں آتا. شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ انیسویں صدی کی رائج درسی کتابوں میں کسی اسلامی تحریک کا ذکر سرے سے مفقود ہے۔ البتہ آزادی کے بعد پاکستانی مصنف اس دَور کی اسلامی تحریکوں اور مسلم قائدین کے کارناموں کی تحقیق میں سرگرم نظر آتے ہیں. لیکن اس تحقیقی جائزے کے لئے اس دَور کے اخبارات، رسائل اور دیگر مواد کا حصول بڑا دشوار ہے. اس کا بڑا حصہ لندن، کلکتہ اور دہلی کی لائبریریوں میں ہے، جس کے بغیر پاکستانی مصنف تحقیق کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

"انیسویں صدی میں بنگال کے بارہ آدمی" کے نام سے ایک کتاب الیف۔ بی۔ براڈلے برٹ نے لکھی ہے۔ اس کتاب میں نواب عبداللطیف کی زندگی کا ایک خاکہ ملتا ہے۔ میرے علم کی حد تک یہ پہلی کوشش ہے، جو مستند ریکارڈ کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ لیکن جب ہم مصنف کے دائرۂ کار اور اس کے کام کے حجم کو دیکھتے ہیں تو ہم اسے بھی ایک نامکمل خاکہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

نواب عبداللطیف نے اپنی سرگرمیوں کے متعلق خود بھی ایک کتابچہ تحریر کیا ہے جس کا نام "میری عوامی زندگی کا ایک تجزیہ" ہے۔ یہ کتابچہ ۱۸۸۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ اس وقت نواب عبداللطیف بقید حیات تھے۔ انھوں نے اپنی پنشن میں اضافے کے لئے ایک درخواست حکومتِ وقت کو بھیجی تھی۔ یہ کتابچہ اور کئی دوسری دستاویزات اس درخواست کے ساتھ منسلک کی گئی تھیں۔ اس کتابچے میں نواب صاحب نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ انھوں نے حکومتِ وقت اور اپنی قوم کے لئے کیا خدمات سرانجام دیں۔ کتابچے کی ترتیب میں نواب صاحب نے بڑے سلیقے سے کام لیا ہے۔ اپنی غیر سرکاری مصروفیات کا ذکر کرتے وقت انھوں نے مبالغہ آرائی سے اجتناب کیا ہے۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:۔
"میں قدرۃً اس ذکر سے حجاب محسوس کرتا ہوں، اور ڈرتا ہوں کہ حق طلبی کرتے کرتے کہیں حق ناواجب پر بھی اپنا حق نہ جتانے لگوں .... اس عرضداشت کو مرتب کرتے وقت مجھے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مجھے یقین ہے کہ اس کی ترتیب میں اگر مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہوئی تو مجھے نظر انداز کر دیا جائے گا۔" براڈلے برٹ کا مقالہ اور نواب صاحب کی اپنی تحریریں ہیں جن سے آج کے محقق استفادہ کر سکتے ہیں۔

نواب عبداللطیف کے سروس ریکارڈ سے کچھ معلومات پیش کی جاتی ہیں:۔

اس دَور میں جب بہت کم مسلمان انگریزی تعلیم کی طرف مائل ہوتے تھے۔ نواب عبداللطیف نے انگریزی میں جلد مہارت حاصل کر لی۔ اور اسی بنا پر حکومت کے اعلیٰ افسروں سے ان کے تعلقات قائم ہو گئے۔ کئی طالب علم "کلکتہ مدرسہ" میں جاری ہونے والی نئی انگریزی کلاسز میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ جن میں سے ایک نواب عبداللطیف بھی تھے۔ حکومت نے ان کی

امتیازی حیثیت کے پیشِ نظر ان کو داخلے کی اجازت دے دی، نواب عبداللطیف ایک ہونہار مسلمان طالب علم ثابت ہوئے۔ انھوں نے گورنمنٹ اسکالرشپ حاصل کیا اور جلد ہی اس دَور کی اعلیٰ سوسائٹی میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ ان دنوں ہندوستانی طلبہ کے لئے بہت کم سرکاری اسامیاں مخصوص کی جاتی تھیں، نواب عبداللطیف کو بھی سرکاری ملازمت کے حصول کی خاطر کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑا۔ مدرسہ چھوڑنے کے بعد پہلے آپ امیر سندھ کے پرائیویٹ سیکرٹری ہوئے جو ان دنوں ڈمڈم میں سیاسی پنشن لے کر رہائش پذیر تھے۔ اگلے سال آپ ڈھاکہ کالجیٹ اسکول میں قائم مقام مدرس ہو گئے۔ کچھ دنوں آپ نے مسٹر سیموئیل آئی سی ایس کی زیرِ نگرانی قائم کئے جانے والے تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ بھی کام کیا۔ بعدازاں آپ کلکتہ مدرسہ میں اینگلو عربک پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہاں پر آپ کا قیام بڑا مختصر تھا۔ کیونکہ جلد ہی سر ہربرٹ میڈاک ڈپٹی گورنر بنگال نے آپ کو دو سو روپے مشاہرہ پر علی پور میں چوبیس پرگنوں کا ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف اکیس سال تھی۔

علی پور میں نواب عبداللطیف تین سال رہے۔ جلد ہی آپ کو درجہ اوّل کے اختیارات مل گئے۔ اور ساتھ ہی آپ کو جسٹس آف پیس (JUSTICE OF PEACE) بنا دیا گیا۔ ۱۸۵۳ء میں عام قاعدے کے مطابق جب آپ کی ترقی ہوئی، تو نئی تشکیل یافتہ سب ڈویژن کلاروا (KALARVA) میں آپ کو ایس۔ ڈی۔ او لگایا گیا۔ یہ سب ڈویژن ان دنوں چوبیس پرگنوں پر مشتمل ضلع کا ایک حصہ ہوتا تھا۔ آپ نے آتے ہی ہندوستانی کاشت کاروں کے معاملات میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ جلد ہی آپ نے ان تمام اختلافات کے متعلق حکومت کو ایک تفصیلی رپورٹ بھیجی جو نیل اُگانے والے اضلاع میں مالکوں اور کاشت کاروں کے درمیان رونما ہو گئے تھے اور جن کی بنا پر سر جان پیٹر گرانٹ لیفٹیننٹ گورنر نے مشہور "نیل کمیشن" قائم کیا تھا۔ نواب عبداللطیف نے ابتدائے ملازمت میں ہی اپنی قابلیت و صلاحیت کی بنا پر شہرت اور اپنی عالی ظرفی اور تدبّر کی بنا پر نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جلد ہی ان کا انتخاب ایک ایسے عہدے کے لئے کیا گیا۔ جس کے لئے قابلیت اور معاملہ فہمی کا ہونا اشد ضروری تھا۔ حکومتِ بنگال، جہاں آباد سب ڈویژن کو ہمیشہ سے "ایک مفسد علاقہ" سمجھتی تھی۔ یہ مقدمہ بازیوں

اور فسادات کا گڑھ تھا۔ مسلسل لاقانونیت کی بنا پر حکومت کو اس سب ڈویژن پر خصوصی توجہ دینا پڑتی تھی۔ اسی لئے یہاں کے ایس۔ڈی۔او کا عہدہ بڑا اہم تصور کیا جاتا تھا۔ جس کے لئے نواب عبداللطیف نامزد کئے گئے۔ نواب صاحب نے یہ نئی ذمہ داری قبول کر لی۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ ان کا انتخاب واقعی موزوں تھا۔ بلاشبہ یہ انتخاب ان کی عظیم صلاحیتوں کا اعتراف تھا۔ براڈلے برٹ لکھتا ہے:۔

"ایک ایسے ضلع میں جو کلکتے کے قریب ہو، جہاں اس قدر طوائف الملوکی کا دَور دَورہ ہو کہ جگہ جگہ فسادات ہوتے ہوں۔ سڑکوں پر رہزنی اور ڈکیتی کے واقعات عام ہوں، جہاں جان و مال محفوظ رکھنا محال ہو چکا ہو۔ یہ جان کر ہم تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان حالات میں کس طرح یہ نوجوان ایس۔ڈی۔او عزم و استقلال کے ساتھ ان خرابیوں کے تدارک پر کمربستہ ہو گیا ہوگا۔ اور ان مشکلات پر قابو پا سکا ہوگا۔ اس دَور کے تمام حلقوں نے آپ کی ان کوششوں کی تعریف کی۔ کیونکہ اس ڈویژن کی اس وقت کی حالت میں جب آپ نے چارج لیا اور اس حالت میں جب آپ نے چارج چھوڑا زمین آسمان کا فرق تھا۔"

یہاں سے آپ کا تبادلہ ہوا تو چارج دینے کے موقع پر مجسٹریٹ ہگلی لارڈ الک براؤن نے آپ کی خدمات کا اعتراف ان لفظوں میں کیا۔

"آپ نے انتظامی لحاظ سے مشکل ترین جہاں آباد سب ڈویژن میں اپنے سرکاری فرائض کو پوری ذمہ داری سے انجام دیا ہے۔ آپ کے تشریف لے جانے سے جو خلاء پیدا ہوگا وہ پُر ہونا مشکل ہے۔"

نواب عبداللطیف، جون ۱۸۵۷ء میں علی پور واپس آئے۔ اور آتے ہی پھر انہی عوامی اور سماجی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ جنہیں وہ کلکتہ سے جہاں آباد جاتے وقت ادھورا چھوڑ گئے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے منصوبے تیار کرنے شروع کر دیئے۔ ۱۸۶۰ء میں آپ سول اور فوجی ملازمتوں کے امتحانات کے بورڈ کے ممبر منتخب ہو گئے۔ یہ ممبری ریٹائر ہونے تک قائم رہی۔ بنگال لیجسلیٹو کونسل قائم ہوئی

تو سرجان پیٹر گرانٹ نے اس کے ابتدائی ممبروں میں آپ کا نام بھی شامل کر لیا۔ آپ پہلے مسلمان تھے جو اس کے ممبر بنے۔ ایک نوجوان کے لئے اتنے بلند عہدے پر فائز ہونا یقیناً فخر کا باعث تھا۔ ساتھ ہی آپ کو بورڈ آف کمشنرز کا ممبر بھی چن لیا گیا۔ اس بورڈ کی تشکیل، انکم ٹیکس کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات پر قابو پانے کی غرض سے کی گئی تھی۔ اور خلافِ توقع اس کی بڑی مخالفت ہوئی تھی۔ دو سال بعد اس عہدہ کی میعاد ختم ہوگئی۔ آپ بنگال لیجسلیٹو کونسل کی ممبری سے علیحدہ ہوگئے اور صرف بطور ڈپٹی مجسٹریٹ علی پور چار سال تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۸۶۷ء میں علاقائی پولیس کورٹ کے پہلے "صدر مجسٹریٹ" مقرر ہوئے۔ یہ کورٹ نیا تشکیل ہوا تھا۔ کیونکہ شہر کی آبادی بڑھ گئی تھی اور جنوبی علاقے کی ضرورتوں کو پورا کرنا ضروری تھا۔ آپ متواتر دس سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس عہدے سے بہت سی ذمہ داریاں وابستہ تھیں۔ جن کی بجا آوری سے آپ کی قوتِ کارکردگی اور جوشِ عمل کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک پولیس عدالت کے محدود ماحول میں کام کرنے کے بعد جو وقت ملتا آپ اسے قومی فرائض کے لئے وقف کر دیتے۔ کیونکہ یہ فرائض انھیں دل سے عزیز تھے۔ سرولیم گرے نے ۱۸۷۰ء میں آپ کو دوبارہ بنگال لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۸۷۲ء کو تیسری مرتبہ اس عہدے کی پیش کش کرتے ہوئے جارج کیمبل نے آپ کو لکھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ لیجسلیٹو کونسل میں آپ سے بہتر، مسلمانوں کی نمائندگی کوئی نہیں کر سکتا۔"

۱۸۷۹ء میں آپ کو قائم مقام پریذیڈنسی مجسٹریٹ لگایا گیا۔ سیالدہ کے "علاقائی پولیس کورٹ" کے صدر کی حیثیت سے سات سال تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آخر دسمبر ۱۸۷۷ء میں خصوصی پنشن حاصل کرنے کے بعد ریٹائر ہوگئے۔

نواب عبداللطیف مارچ ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت تک کمپنی کی حکومت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی۔ انتظامی، عدالتی اور اقتصادی شعبوں میں اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ انتظامیہ نے بنگال کے نواب کو پنشن دے کر تمام اختیارات کونسل کے گورنر جنرل کو سپرد کر دیئے۔ مغلوں کے دور میں انتظامی و عسکری عہدوں پر اکثر مسلمانوں کا تقرر

کیا جاتا تھا۔ لیکن اب یہ دروازے ان پر بند کر دیئے گئے تھے۔ عدالتی ڈھانچے میں بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ اب اعلیٰ عدالتی عہدوں پر انگریز فائز تھے۔ البتہ دیہاتوں اور قصبوں میں ابھی تک مسلمان قاضی کام چلا رہے تھے۔ مسلمانوں کی زمینداریاں گو پہلے ہی ختم ہو چکی تھیں لیکن ۱۷۹۳ء میں، بندوبست دوامی کے نفاذ کے بعد ان کی تعداد اور بھی کم ہو گئی۔ اب ان کی جگہ ہندو بنیئے لے رہے تھے۔ اٹھارھویں صدی سے پہلے وہ آراضی جن پر کوئی لگان عائد نہیں تھا واپس ہونا شروع ہو چکی تھیں۔ بحالیٔ آراضی کی ان کارروائیوں سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچا۔ حکومت کے ان اقدامات سے مسلمان سیاسی طور پر اپاہج، اقتصادی طور پر مفلوج اور سماجی طور پر کنگال ہو کر رہ گئے۔ کمپنی کے دَورِ حکومت میں مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا تجزیہ ڈاکٹر اے۔ آر۔ مالک نے اپنی کتاب "برٹش پالیسی اور بنگالی مسلمان" میں کیا ہے۔ ایک انگریز مورخ سر ولیم ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں اس کے متعلق لکھا:۔

"اگر کسی قوم نے کبھی ایک نصب العین کے لئے جد وجہد کی ہے تو وہ بے شک زیریں بنگال کے مسلمان شرفاء تھے۔ بنگال کی آمدنی کی سب سے بڑی مد، شاہی ٹیکسوں کا نظام تھا، جس پر مسلمان شرفاء کی اجارہ داری تھی۔ آمدنی کی ایک اور مد "محکمہ پولیس" تھا، جس میں تمام افسر مسلمان ہوتے تھے۔ تیسری مد "کچہریاں" تھیں وہاں بھی مسلمان چھائے ہوئے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر فوج کا محکمہ تھا، جس میں شرفاء خود نہیں بھرتی ہوتے تھے، جو فاتحین کہلاتے تھے۔ انھوں نے اپنے مزارعوں کو فوج میں بھرتی کرا رکھا تھا، جن کے نام کی تنخواہیں وہ حکومت سے وصول کرتے تھے۔ ایک سو ستر سال پہلے بنگال میں مسلمان شرفاء کا غریب رہنا ناممکن تھا لیکن آج اس کے برعکس ان کا مالدار رہنا ناممکن ہے۔

مسلمان اقتصادی تباہ حالی کی وجہ سے تعلیم میں پیچھے رہ گئے۔ ایک مسلمان کے لئے علم حاصل کرنا مذہبی فریضہ ہے جس کی قرآن و سنت میں بڑی تاکید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان، مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں کے قیام کو اہم خدمت تصور کرتے تھے، وہ ان کو چلانے کے لئے اپنی آراضی وقف کرتے، علماء و فضلاء کے گزارے کے لئے وظیفہ مقرر کرتے اور ان کو مالی اعانت بہم پہنچاتے۔ امراء و رؤساء بھی اپنے حاکموں کی تقلید کرتے لیکن جب

ان سے سیاسی اقتدار کی دولت چھن گئی تو ان کی درس گاہوں پر بھی ادبار آ گیا اور اُن کی حالت بتدریج زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں بکنین اور آدم نے جو ادارے قائم کئے، وہ بھی زوال پذیر ہو گئے۔ اس لئے کہ کمپنی کی حکومت نے اسلامی تعلیم کی حوصلہ افزائی سے اغماض کیا۔ کلکتہ مدرسہ کی بنیاد ۱۷۸۰ء میں وارن ہیسٹنگز نے رکھی تھی۔ وہ بھی بدنظمی کا شکار رہا۔ ۱۸۲۳ء تک اس میں انگریزی کا شعبہ نہیں تھا۔ اس کے اجراء کے بعد بھی مؤثر انتظامیہ اور نگرانی کے فقدان کے باعث صورت حالات ابتر رہی۔ حکومت نے ہندوؤں کے لئے کئی مخصوص تعلیمی ادارے قائم کئے۔ مگر مسلمانوں کے لئے ابھی تک صرف ایک ہی ادارہ "کلکتہ مدرسہ" تھا۔ اور اس کی بھی انتظامی حالت قابل رحم تھی۔"

ڈاکٹر اے۔ آر۔ مالک نے تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ۱۸۳۵ء تک حکومت کی سرپرستی میں تعلیم کا جو انتظام تھا اس کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جو ہمیشہ سے تعلیم کے شائق تھے، وہ انگریزی یا دیگر مغربی علوم کے حصول میں ہرگز متعصب نہیں تھے بلکہ ان علوم کے حصول کے مواقع ان کے لئے محدود کر دیئے گئے تھے۔ نصاب میں مجوزہ طرزِ تعلیم نقائص سے پُر تھا۔ ان کی واحد تعلیمی درس گاہ بدنظمی و تغافل کا شکار تھی۔ حکومت کی طرف سے عوام کو تعلیم یافتہ بنانے کی ابتدائی کوششیں صرف کلکتہ تک محدود تھیں، جہاں ہر طرف ہندوؤں کا غلبہ تھا۔

مسلم اکثریت کے شمال مشرقی اضلاع حکومت کی فوری توجہ کے محتاج تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی غربت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ جب تک حکومت کی جانب سے انھیں وافر امداد نہ ملتی ان کے لئے تعلیم حاصل کرنا ناممکن تھا۔ جو بھی سبب ہو حقیقت یہی ہے کہ حکومت مسلمانوں کی تعلیم کے بارے میں متذبذب پالیسی پر کاربند تھی۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے ہندو مسلمانوں کی نسبت فائدہ میں رہے۔

نتیجہ ظاہر ہے۔ مسلمان تعلیم میں پیچھے رہ گئے۔ انیسویں صدی کے تعلیمی گوشواروں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۴۱ء میں بنگال کے اسکولوں اور کالجوں کے ۴۳۰۴ طلبہ میں سے ۷۵۱، ۱۸۴۶ء میں ۵۳۷۴ میں سے ۶۰۶، ۱۸۵۲ء میں ۷۶۴۴ میں سے ۷۹۶ اور ۱۸۵۶ء

میں ۲۱۶ء طلبہ میں سے ۱۳۱ء مسلمان تھے۔

مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کا اندازہ سرکاری ملازمتوں میں ان کے تناسب سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ولیم ہنٹر ہمیں بتاتا ہے:۔

"درجہ اوّل کی ملازمتوں کی تقرریاں جو ایک نسل پہلے سے چلی آرہی تھیں مسلمان ان کے متعلق زیادہ شکایت نہ کرسکتے تھے۔ اپریل ۱۸۶۹ء میں دو ہندوؤں کے مقابلے میں جہاں ایک مسلمان ملازم تھا، وہاں اب تین ہندوؤں کے مقابلے میں ایک مسلمان تھا۔ درجہ دوم کی ملازمتوں میں پہلے نو ہندوؤں کے مقابلے میں دو مسلمان ملازم ہوتے تھے۔ اب دس ہندوؤں کے مقابلے میں ایک مسلمان ملازم ہے۔ درجہ سوم کی ملازمتوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ پہلے ستائیس ہندوؤں کے مقابلے میں چار مسلمان ہوتے تھے۔ اب چوبیس انگریزوں اور ہندوؤں کے مقابلے میں تین مسلمان ملازم ہیں۔ اس سے بھی نچلے درجے میں ۱۸۶۹ء میں متفرق تیس اسامیوں میں سے صرف چار مسلمانوں کے پاس تھیں۔ اب انتالیس اسامیوں میں صرف چار مسلمانوں کو ملی ہیں پہلے زیر تربیت امیدواروں میں اٹھائیس میں سے دو مسلمان تھے۔ مگر اب اس میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔"

بنگال کی سیاسی جماعتیں غیر اہم محکموں کی اسامیوں کے تناسب پر کوئی توجہ نہیں دیتی تھیں۔ جس کی بنا پر ان محکموں میں تو مسلمانوں سے اور بھی بُرا سلوک کیا جاتا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں ان محکموں کی خالی اسامیوں کو جس طرح پُر کیا جاتا تھا۔ اس کی صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

"مختلف شعبوں میں اسسٹنٹ انجنیئروں کی کُل چودہ اسامیاں تھیں جن میں سے کوئی مسلمان نہیں تھا۔ زیر تربیت امیدواروں میں چار ہندو اور دو انگریز تھے۔ ان میں بھی کوئی مسلمان نہ تھا۔ محکمہ تعمیراتِ عامہ کے نائب انجنیئروں اور سپروائزروں میں ایک مسلمان کے مقابلے میں چوبیس ہندو تھے۔ اور سیروں میں تریسٹھ ہندوؤں کے مقابلے میں دو مسلمان تھے۔ دفتر حسابات میں پچاس ہندو تھے، مگر مسلمانوں کی تعداد صفر تھی۔ درجہ اوّل کی ذیلی اسامیوں میں بائیس ہندو تھے مگر کوئی مسلمان نہ تھا۔

۱۸۸۲ء میں سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کلکتہ کے ایماء پر سید امیر علی نے لارڈ رپن کو جو یادداشت پیش کی تھی، اس میں بھی اس صورتِ حال کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"۱۸۷۱ء میں گزیٹیڈ ملازمتوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد میں ایک اور سات سے بھی کم کی نسبت تھی۔ ۱۸۸۰ء میں یہ نسبت ایک اور دس سے بھی کم ہوگئی۔ یہ تو ان محکموں کی حالت تھی جو غیر اہم شمار کئے جاتے تھے۔ اس زمانے کے تذکرہ نویس ہمیں بتاتے ہیں کہ وزارتِ خارجہ کے عملے میں چوّن افسروں میں سے دو اور وزارتِ داخلہ کے ترسیٹھ افسروں میں سے صرف ایک مسلمان تھا۔ مالیات اور محاصل کے محکموں میں پچھتّر افسروں میں ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ اسی طرح کمپٹرولر جنرل کے دفتری عملے کی تعداد ترسیٹھ تھی جن میں صرف ایک مسلمان تھا۔ دفتر سیکرٹری حکومت بنگال، جنرل شعبہ اور شعبۂ ریونیو میں اعلیٰ گریڈ کے ۱ نوّے افسروں میں کوئی مسلمان ملازم نہیں تھا۔ اسی طرح شعبۂ عدالت، شعبۂ سیاست اور شعبہ تقرریات کے بیاسی افسروں میں کوئی مسلمان ملازم موجود نہ تھا۔ اکاؤنٹنٹ جنرل بنگال کے ۱۸۱۔ افسروں میں ایک بھی مسلمان ملازم نہیں تھا۔ ریونیو بورڈ میں ۱۱۳۔ اسسٹنٹ تھے۔ جن میں صرف ایک مسلمان تھا۔" انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن ان بنگال" کے دفتر میں صرف ایک مسلمان موجود تھا۔ محکمہ کسٹمز کی مرکزی ۱۳۰ اسامیوں اور اسسٹنٹوں کے رجسٹر حاضری پر کسی مسلمان کا نام درج نہیں تھا۔ اسی طرح کلکتہ کلکٹریٹ اور ڈائرکٹر جنرل پوسٹ آفس ان انڈیا کے دفاتر میں مسلمان نام کو بھی نہیں تھا۔ اسی طرح محکمہ ڈاک میں دو ہزار پینتیس افسر تھے جن میں صرف سو مسلمان تھے۔ یہی صورتِ حال پبلک ورکس کے محکمہ کی تھی۔ محکمہ پبلک انسٹرکشن میں ۵۷۳ افسروں میں صرف ۳۸ مسلمان تھے۔ ہائی کورٹ کے ۳۵۹ افسروں میں سے کل ۹۲ مسلمان تھے۔"

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہمیں نواب عبداللطیف کے کام کا جائزہ لینا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا کام سخت مشکل تھا۔ انھوں نے دو اصولوں کو سامنے رکھا:-

۱۔ یہ کہ انگریزی کے ذریعے مسلمانوں کو جدید تعلیم سے روشناس کیا جائے۔

۲- یہ کہ مسلمانوں کو انگریز حاکموں کا وفادار رکھا جائے۔

مسلمانوں کے انگریزی تعلیم کی طرف رجوع نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنی روایتی تہذیب اور عربی فارسی کی تدریس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ سنسکرت کے پنڈت اسکولوں میں سنسکرت آمیز بنگالی پڑھاتے تھے، جس کو مسلمان پسند نہیں کرتے تھے۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے ہنٹر لکھتا ہے :-

"حق یہ ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں مسلمانوں کے تین بڑے رجحانات سے چشم پوشی کی گئی ہے۔ اوّل یہ کہ ذریعہ تعلیم بنگلہ ہے یہ ایک ایسی زبان ہے جسے پڑھے لکھے مسلمان ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ زبان ہندو پڑھاتے ہیں، جن سے تمام مسلمان نفرت کرتے ہیں دوسرے یہ کہ ہمارے دیہاتی مدرسوں میں ایسی تعلیم نہیں دی جاتی جسے پڑھ کر مسلمان آئندہ پُر وقار حیثیت حاصل کر سکیں۔ اور اپنے مذہبی فرائض بھی کماحقہٗ ادا کر سکیں۔ ہر مسلمان کے لئے تھوڑی بہت فارسی سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن اب فارسی ایسی زبان ہے جسے ہمارے اسکولوں میں کوئی نہیں جانتا۔ ہر غریب امیر مسلمان کو فارسی یا عربی میں عبادت کرنی پڑتی ہے۔ مگر ہمارے اسکول ان دونوں زبانوں کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ تیسرے یہ کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں، یہ ایک خالص لامذہبی نظام تعلیم ہے جو ناخواندہ اور راسخ العقیدہ مسلمان کسانوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔

نواب عبداللطیف کا بھی یہی نظریہ تھا۔ آپ کہا کرتے تھے :-

"مسلمان کسانوں کی ضروریات کے لئے عام بنگالی اسکول نامناسب ہیں۔ کیونکہ ان اسکولوں میں ہندو اثرات غالب ہیں۔ ان میں جو استاد پڑھاتے ہیں انھیں "گورو" کہا جاتا ہے۔ اور وہ سب کے سب ہندو ہیں۔ طلبہ کی تعداد بھی زیادہ تر ہندو ہے۔ ایک طرف جہاں یہ باہمی جذبۂ ہمدردی سے ناآشنا ہیں، وہاں دوسری طرف وہ مسلمانوں سے تعصّب بھی برتتے ہیں۔"

اسی بنا پر آپ نے تجویز پیش کی کہ جس اسکول میں مسلمان پڑھنا چاہیں اس کا ذریعۂ تعلیم سنسکرتی بنگالی کے ساتھ مسلم بنگالی بھی ہونا چاہیئے، جس میں فارسی، عربی اصطلاحات

اور الفاظ شامل ہوں۔

تعلیمی کونسل کی منظوری سے نواب عبداللطیف نے ۱۸۵۳ء میں اعلان کیا کہ "مسلمان طلبہ کے لئے انگریزی تعلیم کے فوائد" کے موضوع پر فارسی میں بہترین مضمون لکھنے والے کو سو روپے انعام دیا جائے گا۔ یہ اعلان کلکتہ گزٹ میں ۱۰ اگست ۱۸۵۳ء کو شائع ہوا۔ ہندوستان بھر کے مسلمان طلبہ اس مقابلے میں حصہ لے سکتے تھے۔ نواب عبداللطیف لکھتے ہیں :-

" انعام کے اعلان سے میرا یہ مقصد تھا کہ ملک میں آباد ان تمام مسلمانوں کی توجہ ادھر مبذول کراؤں جنہوں نے اب تک اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلانے کی طرف توجہ نہیں کی اور وہ اس موضوع پر بحث کرنا تو کجا سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے۔"

اعلان اور مقابلے کی تاریخ میں پانچ ماہ کا وقفہ دیا گیا تھا۔ بعد میں مسلمان مفکرین کی متوقع شمولیت کے پیشِ نظر اس عرصہ کی میعاد میں توسیع کر دی گئی۔ توقع کے برعکس نتیجہ حوصلہ افزا رہا۔ کیونکہ تمام ہندوستانی مسلمانوں نے اس مقابلے میں دلچسپی لی۔ پنجاب، اودھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، بنگال، بہار اور بمبئی تک کے دانش وروں نے اپنے مقالات بھیجے۔

جہاں کچھ مقالہ نگاروں نے مسلمان بچوں کو انگریزی تعلیم دیئے جانے کے خلاف قرآنی حوالوں سے بڑے بڑے دلائل پیش کئے۔ اور مقابلے کا اعلان کرنے والے کو اسلام میں تحریف کرنے والا اور دشمن قرار دیا۔ وہاں دوسرے مقالہ نگاروں نے موضوع کی پُرجوش حمایت کی۔

ماہرین کی ایک کمیٹی نے موصول شدہ مقالات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد مولوی ابوالفتح عرف اشرف علی لیکچرار عربی و فارسی سر جمشید جی جیجی بھائی خیراتی انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے مقالے کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

نواب عبداللطیف نے اس کے ساتھ ساتھ کلکتہ مدرسہ میں انگریزی و فارسی شعبے کے اجراء کے لئے محکمہ تعلیم کی مدد کی۔ اس امداد سے کلکتہ مدرسہ اس قابل ہو گیا کہ اپنے قیام کے پورے پچیس سال بعد بھی اپنے بانی کی بتائی ہوئی راہ عمل پر خود مختارانہ گامزن رہ سکے۔ اب یہ مدرسہ اس دور کی عدالتوں کے لئے مذہبِ اسلام اور فقہ کے ماہرین اساتذہ مہیا

کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اور اب وہ مقصد پورا ہونے لگا تھا، جس کے لئے نیک دل مسلمانوں نے اپنی آراضی کو وقف کیا تھا۔ اس مدرسے کی کارکردگی سے متاثر ہو کر اب دولت مند لوگ بھی تحقیقی کاموں کی حوصلہ افزائی کرنے لگے تھے۔

اس مدرسے کے سیکرٹری کی اسامی پر ۱۸۱۹ء میں ایک یورپین کی تقرری کی گئی۔ ۱۸۲۶ء میں انگریزی کلاس کا اجراء کیا گیا۔ ۱۸۲۹ء میں مدرسہ کا نام انگریزی اسکول رکھا گیا۔ ان سب تبدیلیوں کے باوجود ۱۸۵۳ء تک حالات اسی طرح تغافل کا شکار رہے۔ اسی دوران چند طلبہ نے شعبہ انگریزی کا "جونیر سکالرشپ" حاصل کر لیا۔ انگریزی اسکول اگرچہ حدود مدرسہ میں واقع تھا، لیکن اس کے قیام کے اغراض و مقاصد کی جھلک اس کی روزمرّہ کی کارکردگی میں نظر نہیں آتی تھی۔

ایجوکیشن کونسل کی سفارش پر ۱۸۵۴ء میں کلکتہ مدرسہ کا شعبۂ فارسی قائم ہوا۔ نواب عبداللطیف کا یہ دعوٰی درست تھا کہ کلکتہ مدرسہ میں شعبہ عربی و فارسی کے قیام میں ان کا بھی نمایاں حصہ ہے۔ بنگلی مدرسے کی روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ ۱۸۵۳ء میں جب سابقہ تعلیمی کونسل کے سامنے کلکتہ مدرسہ کی دوبارہ تنظیم کا مسئلہ پیش ہوا تو اس وقت عزت مآب جان کول وِن سابق ممبر کونسل نے مجھے بھی ازراہِ کرم اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کو کہا۔ ان کے نام میں نے اپنے خط میں مسلمانوں کے نزدیک انگریزی و فارسی کے حصول کی اہمیت و افادیت پر زور دیا تھا۔ اور میری ان سفارشات کو ایک حد تک تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ انہی سفارشات کی بنا پر کلکتہ مدرسہ اور کالنگا برانچ اسکول میں انگریزی اور فارسی شعبوں کا اجراء عمل میں لایا گیا۔

مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے موضوع پر نواب عبداللطیف نے دو فاضلانہ مقالے پڑھے پہلے کا عنوان تھا "بنگلی مدرسے کا سرسری جائزہ" یہ مقالہ ۱۸۶۱ء میں اس وقت کے گورنر جنرل بنگال سر جے۔ پی۔ گرانٹ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اسے ۱۸۷۷ء میں کلکتہ سے شائع کیا گیا۔ دوسرے مقالے کا عنوان تھا "بنگال میں اسلامی تعلیم" یہ مقالہ نواب عبداللطیف نے بنگال سوشل سائنس ایسوسی ایشن کے اجلاس میں پیش کیا۔ اور ۳۰ جنوری ۱۹۶۸ء کو

کلکتہ ٹاؤن ہال میں الیوسی ایشن کے دوسرے سیشن میں پڑھا گیا۔ اور اسی سال اسے کلکتے سے شائع کیا گیا۔

دوسرے امور کے علاوہ نواب عبداللطیف نے اس بات پر بھی زور دیا کہ محسن اوقاف فنڈ سے استفادہ کرنے کی اجازت ان مسلمان طلبہ کو بھی ملنی چاہیئے جو کلکتہ مدرسہ کے انگریزی و فارسی شعبوں میں انٹرنس تک تعلیم حاصل کرتے ہیں اس کے علاوہ ایسی درس گاہیں بھی قائم کی جائیں جن میں خالص عربی و فارسی کی تعلیم دی جاسکے۔

حاجی محمد محسن نے، مذہبی و تعلیمی مقاصد کے لئے اپنی جائیداد کا بڑا حصہ وقف کر دیا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں حکومت نے اس وقف کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اس سے حکومت کو کئی لاکھ کی رقم حاصل ہوئی۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ وقف کے بانی کی منشاء کے مطابق اس خطیر رقم کو کار آمد علوم کے فروغ کیلئے خرچ کیا جائے۔

کافی غور و خوض کے بعد امام باڑوں کے اخراجات وضع کر کے باقی تمام رقم کو ہگلی کالج کی تعمیر، انگریزی اور السنہ شرقیہ کے شعبہ جات کے اجراء پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کالج کا اجراء ۱۸۳۶ء میں ہوا۔ تین سال کی قلیل مدت میں انگریزی کے شعبہ میں ۱۲۰۰ اور السنہ شرقیہ کے شعبہ میں ۳۰۰ طلبہ داخل ہوئے۔ اسی سال کے آخر میں جب امتحانات ہوئے تو کل ۱۰۱۳ امیدواروں میں سے ۳۱ مسلمان، ۳۴ عیسائی اور ۹۴۸ ہندو تھے۔ جبکہ شعبہ السنہ شرقیہ میں امتحان دینے والے ۲۱۹ امیدواروں میں سے ۱۳۸ مسلمان اور ۸۱ ہندو تھے۔ ڈاکٹر اے۔ آر۔ مالک فرماتے ہیں:۔

"اس طرح یہ وقف جو صرف مسلمانوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے قائم کیا گیا تھا، اس کے دروازے تمام قوموں کے لئے کھول دیئے گئے۔ حکومت نے ایسا کرتے وقت اس امر کو نظر انداز کر دیا کہ یہ رقم کسی نے دوسرے فرقوں کے مقابلے کی خاطر کسی ایک فرقے کی تدریس کے لئے مخصوص کی تھی۔ مسلمان طلبہ کے لئے انگریزی کے شعبہ میں کوئی کشش موجود نہ تھی۔ باقی نصاب بھی ایسا نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکتا۔ اس کا مقصد تو محض انگریزی اور بنگالی کی تدریس تھا۔ کسی مد میں بھی مسلمانوں کی عام حالتِ زار کو پیش نظر رکھ کر مالی امداد کی

گنجائش نہیں رکھی گئی تھی بلکہ اس کے برخلاف متوقع کثرت داخلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتابوں اور فیس کے لئے پیشگی رقم کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کی صورت میں داخلے سے محرومی کی شرط عائد کی گئی تھی۔ اس پس منظر میں ہم اس اپیل کا جائزہ لیتے ہیں، جو مسلمانوں کی تعلیم کی خاطر نواب عبداللطیف نے محسن اوقاف فنڈ کی واگزاری کے سلسلے میں کی تھی. اس اپیل میں انھوں نے پہلے "محسن وقف" کے اغراض و مقاصد سے بحث کی اور بتایا:۔

"ایک مسلمان اپنی جائیداد اس لئے وقف کرتا ہے کہ اس کی روح کو قرار ملے۔ اس وقف کا ایک واضح حصہ اس مقصد کے لئے وقف کیا گیا تھا. مگر ایسا کرتے وقت چونکہ کسی مخصوص تعلیمی پروگرام کی وضاحت نہیں کی گئی لہذا یہ فرض کر لینا چاہیئے کہ واقف کا مقصد اپنے ہم مذہبوں کو زیور تعلیم سے مزیّن کرنا تھا۔"

نواب صاحب مزید تشریح کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ حاجی محسن کے وقف اور ہگلی مدرسے کے قیام میں کیا تعلق تھا. مدرسے کے نظم ونسق کی خامیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے ایسی تجاویز پیش کیں کہ طلبہ کی مفت خوراک و رہائش کا انتظام کیسے ہو سکتا ہے اور کیسا طرز تعلیم رائج کرنے کی ضرورت ہے. آیا وہاں اب صرف فارسی عربی یا محض انگریزی یا سب زبانوں کی مشترک تعلیم دینی چاہیئے۔ بحث ختم کرتے ہوئے آخر نواب صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ اس مدرسے سے صرف مسلمانوں کو ہی استفادہ کرنے کا حق ہونا چاہیئے اور وہاں عربی فارسی اور انگریزی کی تعلیم دی جانی چاہیئے۔

مزید لکھتے ہیں:۔

"اسلام اور مسلمان بھی دوسری قوموں سے قدرۃً یہ توقع رکھتے ہیں کہ دیگر علوم کے ساتھ وہ عربی فارسی کا بھی مطالعہ کریں۔ دنیا کی کوئی ترغیب اب تک مسلمانوں کو انگریزی یا کسی اور بدیسی زبان سیکھنے پر مائل نہ کر سکی. لہذا اگر حکومت چاہے تو مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع بہم پہنچا سکتی ہے۔ ضروری ہے کہ تعلیمی پالیسی میں حکومت مسلمانوں کے لئے انگریزی کے حصول کو بھی وہی درجہ دے جو فارسی اور عربی کو دیا جائے۔

نواب صاحب آخر میں تجویز فرماتے ہیں :-

خالص بنیادوں پر ایک عربی انسٹی ٹیوٹ قائم کی جائے یا ہگلی کے ادارے کو اسی مقصد کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور اس کا معیار بڑھایا جائے۔ اس کے علاوہ ایک اینگلو پرشین اسکول علیحدہ قائم کیا جائے جو صرف مسلم طلبہ کے لئے مخصوص ہو۔ اس مقصد کے لئے آپ نے باقاعدہ ایک پلان مرتب کیا جس میں وضاحت سے بتایا گیا کہ یہاں کون کون سی کلاسوں کا اجراء کیا جانا چاہیئے۔ کتنے طالب علم داخل کئے جائیں۔ کتنے اساتذہ بھرتی ہونے چاہئیں۔ وظائف کی تعداد کتنی ہو، فیلو کتنے ہوں اور دونوں اداروں کا بجٹ کیا ہو۔

ہگلی مدرسے کے متعلق جب یہ تفصیلی رپورٹ پیش ہوئی تو حکومت نے اس پر فوری توجہ دی۔ نواب صاحب خود کہتے ہیں :-

میں مرحوم حاجی محمد محسن وقف کے صحیح انتظامات کے بارے میں حکومت پر ۱۸۶۱ء سے زور دیتا چلا آیا تھا کہ میں نے جو سفارشات کی ہیں انھیں جلد بروئے کار لایا جائے اور ہگلی کالج کا انتظام درست کیا جائے۔ چنانچہ سر جارج کیمپبل اور لارڈ بروک نے اس پر آخر کار توجہ فرمائی اور ۱۸۷۰ء میں تعلیمی مقاصد کے لئے پچاس لاکھ سالانہ کی گرانٹ دینے کی منظوری دے دی۔ اب تک محسن وقف کا فنڈ ہگلی کالج کے لئے وقف تھا اور اس سے صرف ہندو طلبہ مستفید ہوتے تھے۔ اس گرانٹ کی واگزاری سے اب تین اسلامی مدرسے قائم کئے گئے۔ ایک ڈھاکہ میں دوسرا چٹاگانگ میں اور تیسرا راجشاہی میں۔ اس کے علاوہ وہ تمام بنگالی مسلمان طلبہ جو دیگر انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس فنڈ سے وظیفہ پانے لگے، اور ان کے لئے دو تہائی فیس بھی اسی فنڈ سے دی جانی منظور ہو گئی۔ تاہم مدرسے کی کلاسوں میں داخلہ ہر فرقے کے لئے کھلا رکھا گیا۔

اس مقالہ میں جس کا عنوان "مسلمانوں کی تعلیم" تھا اور جس کے اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں، نواب صاحب نے اوّل کلکتہ مدرسے کے قیام سے اب تک کے واقعات پر سیر حاصل بحث کی ہے، پھر مدرسے کے نظم و نسق کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر انگریزی کلاسوں کے اجراء، ان کی ناکامی، انگریزی کتب کا عربی میں ترجمہ اور اس منصوبے کی

ناکامی کے اسباب گنوانتے ہیں۔ ۱۸۵۴ء میں کلکتہ مدرسہ میں انگریزی و فارسی شعبہ جات کے قیام پر روشنی ڈالنے کے بعد آخر کار یہ رائے دیتے ہیں کہ کلکتہ مدرسہ کے انگریزی و فارسی شعبے کو ترقی دے کر اسے کالج کا درجہ دیا جانا اشد ضروری ہے۔

یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ پریذیڈنسی کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۲۷ر فروری ۱۸۷۳ء کو اس کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب کی رپورٹ میں کلکتہ کا ایک روزنامہ یوں رقمطراز ہے :۔

"عزت مآب مولوی عبداللطیف خان بہادر نے فرمایا کہ جناب لیفٹیننٹ گورنر نے مجھے اس اہم موقع پر چند الفاظ کہنے کی اجازت دے کر میری بڑی عزت افزائی کی ہے اور میں بڑے فخر کے ساتھ ارشاد کی تعمیل میں اس کالج کا سنگِ بنیاد رسمی طور پر رکھ رہا ہوں۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کے لئے میں دو وجوہات کی بنا پر ان کا مکرر شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اوّل یہ کہ میرے ہم قوم اب انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ یہ کوشش کتنی ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو، اس کالج کے قیام کے لئے میں نے بھی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ میں ان نکات کی توضیح کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

پریذیڈنسی کالج کے قیام سے پہلے ہندوؤں کے اپنے کالج موجود تھے جن میں وہ اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ اسی طرح کلکتے کی عیسائی آبادی کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم کے کالج موجود تھے۔ لیکن کلکتے کے مسلمانوں کے لئے کوئی کالج موجود نہ تھا، جس کی شدید ضرورت تھی۔ اور آپ یہی نکتہ اس دَور کے اربابِ علم کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت و اہمیت کا سب سے زیادہ احساس تھا۔ علاوہ ازیں خود حکومت بھی ایک عرصے سے اس نکتہ پر سنجیدگی سے غور کر رہی تھی۔ ایک ایسے ہندو کالج کا اجراء جس کے لئے فنڈ ہندو مہیا کرتے، مسلمانوں کے لئے قطعاً غیر مفید تھا۔ اس لئے حکومت بھی موجودہ پریذیڈنسی کالج کو ترقی دینا مناسب خیال کرتی تھی تاکہ وہاں عافیت کے ساتھ ہر طبقے کے طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ یہ اقدام آپ کے ہم قوموں کے لئے باعثِ فخر تھا۔ کیونکہ اب انھیں ترقی کرنے کے مواقع فراہم ہو چکے تھے۔ اب اس کالج سے مسلمان بی۔اے، مسلمان ایم اے اور مسلمان

قانون داں پاس کر کے نکلنے لگے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے ہم قوم اب ان سہولتوں اور رعایتوں سے جو حکومت نے مسلمانوں کے لئے روا رکھی ہیں، پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور اب وہ دن دُور نہیں جب مسلمان بھی مہذب دنیا میں وہ مقام حاصل کر سکیں گے، جس کے وہ اہل تھے، اور جس کی محرومی کا انھیں شدید احساس تھا۔ آپ اس دن کے لئے بڑی بے تابی سے منتظر تھے۔

نواب عبداللطیف نے ۱۸۶۳ء میں محمڈن لٹریری سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ قوم کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے یہ ایک اہم اقدام تھا، جو نواب صاحب نے کیا۔ اس سوسائٹی نے ہر قسم کی علمی و سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا موقع فراہم کیا، جس میں مسلمان دانشور باہم مل بیٹھ کر علمی موضوعات اور سماجی مسائل زیرِ بحث لا سکیں، اور اس طرح سیاسیات حاضرہ اور جدید طرزِ فکر سے آشنا ہو سکیں۔ اس سوسائٹی کے اجلاس بڑی باقاعدگی سے ہوا کرتے تھے جن میں مقالے پڑھے جاتے تھے اور اہم مسائل پر بحث و تحیص کی جاتی تھی۔

۲ر اپریل ۱۸۶۲ء کو جب اس لٹریری سوسائٹی کا اوّلین اجلاس ہوا تو نواب عبداللطیف کے علاوہ دیگر دو حضرات نے بھی اپنے مقالے پیش کئے۔ ان مقالات کا عنوان تھا "مسلمانوں کی بہبودی کے لئے ایسی مجالس کے انعقاد کی اہمیت" اس کے علاوہ ایک دانشور نے اس سوسائٹی میں "نظریۂ وہابیت" پر بھی ایک مقالہ پیش کیا تھا۔ یہ اجلاس بڑا کامیاب رہا۔ اور اس کی کارروائیوں سے متاثر ہو کر مسلمان اس میں دلچسپی لینے لگے۔ اسی سال دوسرا اجلاس ۱۳ر مئی کو ہوا، جس میں "تاریخ اور اس کی افادیت" اور "اخبارات کے اجراء کی تاریخ" جیسے اہم مقالوں کے علاوہ تجارت، آرٹ، کاشت کاری اور جغرافیے کے موضوع پر بھی مقالے پیش کئے گئے۔

یہ دونوں اجلاس اس قدر کامیاب رہے کہ سوسائٹی کے بانیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ اس قسم کے اجلاس ہر ماہ باقاعدگی سے منعقد ہوا کریں۔

جن لوگوں نے ان جلسوں میں اپنے مقالے پیش کئے، ان میں ایف۔ جی۔ طوالا، سرسیّد احمد خان، ڈاکٹر کنہیا لال، ڈاکٹر جٹس جے پی نارمن اور مولوی کرامت علی جونپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔

سرسیسل بیڈن لیفٹیننٹ جنرل بنگال کی تجویز پر، گورنر جنرل نے ۱۸۶۷ء میں نواب صاحب کو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مکمل سیٹ اور ایک طلائی تمغہ پیش کیا۔ یہ قومی تعلیم کے فروغ کی کوششوں میں آپ کی خدمات کا کھلا اعتراف تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے ذرائع مہیا کرنے کی وہ کوششیں نہایت عظیم ہیں، جو آپ نے مسلمانوں کی خاطر سرانجام دیں۔ بریڈلے برٹ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ "مسلمان نواب عبداللطیف کے بہت ممنون ہیں۔ وہ ان کی خدمات کو فراموش نہ کرسکیں گے۔ اس اعزاز کے حصول میں اولیّت کا شرف انہی کو حاصل رہے گا۔ انھوں نے مسلمانوں کو اس شاہراہ ترقی پر ڈال دیا، جس پر آئندہ چل کر انھوں نے علمی میدان میں عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں۔"

مقالے کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔

انیسویں صدی میں بنگال کی بارہ عظیم شخصیتیں۔
ہندو پاکستان کی ترقی ۱۸۸۵ء ۱۹۶۱ء
برٹش پالیسی اور بنگال میں مسلمان۔
مسلمان جو لارڈ رپن کے روبرو پیش ہوئے۔
ہندوستانی مسلمان۔
میری زندگی کا مختصر تجربہ۔
مسلمانِ بنگالہ کی تعلیم۔
برٹش پالیسی۔